اقبال اور سلطانیِ جمہور کا اسلامی تصور

پروفیسر فتح محمد ملک*

Abstract:

This essay is an attempt to highlight Iqbal's concept of democracy. Iqbal has derived his democratic ideal from the teaching of Islam. He is of the view that "The Essence of Tauhid, as a working idea, is equality, solidarity, and freedom. The state, from the Islamic standpoint, is an endeavour to transform these ideal principles into space-time forces, an aspiration to realize Tuahid is the fountainhead of the Islamic concept of democracy as formulated by Allama Muhammad Iqbal. Allama Iqbal's philosophical writings as well as his poetic compositions on the subject is my main source of inspiration in this study.

آل انڈیا مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے جدید سیاسی نظریات کی روشنی میں قیامِ پاکستان کا مطالبہ(۱) کرنے سے اکیس سال پیشتر اقبال نے جمہوریت کو اسلام کا مثالی سیاسی نظام قرار دیا تھا۔ ''اسلام کا آئیڈیل اخلاقی اور سیاسی نظام'' کے عنوان سے اپنے طویل انگریزی مضمون میں اقبال نے مکمل انسانی مساوات پر مبنی جمہوریت کو اسلام کا مثالی سیاسی نظام قرار دیا تھا۔ انھوں نے بڑی قطعیت کے ساتھ دعویٰ کیا تھا کہ:

"There is no aristocracy in Islam. "The noblest among you," says the Prophet, "are those who fear God Most." There is no

* ریکٹر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

privileged class, no priesthood, no caste system. Now, this principle of the equality of all believers made early Musalmans the greatest political power in the world. Islam worked as a levelling force; it gave the individual a sense of his inward power; it elevated those who were socially low. The elevation of the down-trodden was the chief secret of the Muslim political power in India."(2)

درج بالا سطور میں علامہ اقبال نے انسانوں کے درمیان مکمل مساوات کے تصوّر سے پھوٹنے والے اسلامی جمہوری نظام کے حق میں بڑا مؤثر استدلال کیا ہے۔ اسلام میں نسلی اور طبقاتی امتیازات ناپید ہیں۔ چنانچہ اسلامی معاشرے میں نہ کوئی اشراف ہے اور نہ ہی کوئی کمین۔ شرفِ انسانیت میں سبھی برابر ہیں۔ تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ یہاں نہ دیوتاؤں کا قائم کردہ ذات پات کا کوئی نظام موجود ہے اور نہ ہی پاپائیت کا سا کوئی ادارہ۔ سچے اسلامی معاشرے میں انسانوں میں برتری کا واحد معیار نیکی اور پاکیزگی ہے۔ اِن بنیادی تصوّرات سے پھوٹنے والے معاشرے میں مکمل اور شفاف جمہوریت کے سوا اور کوئی سیاسی نظام نہ تو نمودار ہوسکتا ہے اور نہ ہی پنپ سکتا ہے۔ جس زمانے میں اقبال نے درج بالا خیالات کا اظہار کیا تھا عین اُسی زمانے میں انہوں نے اپنے Stray Reflections میں ایک مختصر تحریر بعنوان Divine Right to Rule قلمبند فرمائی تھی۔ اِن شذراتِ فکرِ اقبال میں اُس خدائی حقِ حکمرانی کو کذب و افترا پر مبنی ٹھہرایا گیا ہے جس کی رُو سے زمانۂ جاہلیت میں موروثی شہنشاہیت برحق قرار دی گئی تھی۔ اقبال کے خیال میں خاندانی شہنشاہیت کا تصور بادشاہوں کی ہوسِ اقتدار نے جنم دیا تھا نہ کہ خداوندِ کریم نے۔ اپنی اِس تحریر کے آغاز میں اقبال خُدائی حقِ حکمرانی کے تصوّر کو درج ذیل استدلال کے ساتھ غیر اسلامی قرار دیتے ہیں:

"The theory of divine right of kings is as old as the institution of kingship itself. As logical corollaries from this follow two other most important principles. Firstly, the king, being a representative of God on earth, is free from all responsibility to his people. His word is law and he may to whatever his sweet will may dictate without being called to account for it. Secondly, kingship must descend into the same family which is considered

sacred."(3)

خدائی حقِ حکمرانی کے تصور کے درجِ بالا تعارف کے بعد اقبال اِس کی نفی میں آنحضورؐ کے طرزِ حکومت کی انسان دوست روح کو منکشف کرتے ہیں اور پھر اِس انکشاف کی روشنی میں حکمرانی کے خُدائی حق کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ بعدازاں ہمیں اسی اندازِ فکر و نظر کی ارتقائی صورت اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے موضوع پر اُن کے خطبات میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔''اسلامی کلچر کی روح'' کے موضوع پر اقبال اپنے ارشادات کے آغاز میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کی کلچرل معنویت کو اُجاگر کرتے وقت بڑے قطعی اور دوٹوک انداز میں لکھتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں نبوّت کے ساتھ ساتھ خاندانی شہنشاہیت اور مُلّائیت کے ادارے بھی رفت گزشت ہو کر رہ گئے تھے۔''اسلام کی ساخت میں اصولِ حرکت'' کے موضوع پر اپنے خطبے میں توحید کے تصوّر کی روشنی میں اسلامی ریاست کا سب سے بڑا فرض یہ بتاتے ہیں کہ وہ انسانی اخوت و مساوات کی بُنیاد پر انسانی آزادی کی پرورش اور نگہداشت کا فریضہ سرانجام دے۔ چنانچہ:

> "The essence of Tauhid, as a working idea, is equality, solidarity, and freedom. The state, from the Islamic standpoint, is an endeavour to transform these ideal principles into space-time forces, an aspiration to realize them in a definite human organization."(4)

قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے توحید پرستی کی اسی اساس پر ایک نئے کلچر کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اپنے اسی خطبے کے آغاز میں اقبال ہمیں اِس نئے انسانی کلچر کے فکری محرکات اور عملی اثرات سے یوں متعارف کراتے ہیں:

> "The new culture finds the foundation of world-unity in the principle of Tauhid. Islam, as a polity, is only a practical means of making this principle a living factor in the intellectual and emotional life of mankind. It demands loyalty to God, not to thrones. And since God is the ultimate spiritual basis of all life, loyalty to God virtually amounts to man's loyalty to his own ideal nature. The ultimate spiritual basis of all life, as conceived by Islam, is eternal and reveals itself in variety and change. A society based on such a conception of Reality must reconcile, in

its life, the categories of permanence and change."(5)

اوپر کی سطروں میں اقبال نے اسلام کے تصوّرِ توحید سے پھوٹنے والے جس نئے کلچر کی نشاندہی کی ہے وہ وحدتِ انسانی کا علمبردار ہے۔اُن کے خیال میں اسلامی سیاست اس تصوّرِ توحید کو انسانی معاشرے میں ایک زندہ حقیقت کا روپ بخش سکتی ہے:

یہی دینِ محکم ، یہی فتح باب
کہ دُنیا میں توحید ہو بے حجاب

اسلامی سیاست اِس تصوّرِ توحید کو انسان کی عقلی اور جذباتی زندگی میں ایک زندہ وفعال قوّت بنا دینے کا نام ہے۔چنانچہ ایک توحید پرست معاشرے میں اخوت، حریّت اور مساوات پر مبنی نظامِ اقدار کی ترویج کی بدولت سلاطین وملوک ناپید ہوکررہ جاتے ہیں اورانسان تخت وتاج کی بجائے خداوندِ کریم کی غلامی کی راہ اپنا لیتے ہیں۔اقبال اسی سلسلۂ خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ تک کہہ گزرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے وفا انسان کی خود اپنی آئیڈیل فطرت سے وفا کا دُوسرا نام ہے۔گویا ایک توحید پرست معاشرے کی سیاست ہمیشہ سلطانیِ جمہور سے عبارت رہتی ہے۔یہاں مجھے اقبال کی ایک نیم ڈرامائی نظم کا وہ حصہ یاد آتا ہے جسے اقبال نے ''فرمانِ خدا'' کا عنوان دیا ہے۔اللہ میاں فرشتوں کو حُکم دیتے ہیں کہ وہ سلطانیِ جمہور کا خیر مقدم کرنے کی خاطر ہر نقشِ کہُن کو مٹا کر رکھ دیں:

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کُہن تُم کو نظر آئے مِٹا دو

ہمارا المیہ یہ ہے کہ بیشتر مسلمان معاشروں میں خاندانی شہنشاہیت سمیت وہ تمام نقش ہائے کُہن آج تک قائم ہیں اللہ میاں نے جنہیں مِٹا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔آیئے اُن تمام فرسودہ اوراز کار رفتہ اداروں سے تعارف حاصل کریں جنہیں ''فرمانِ خُدا'' کے مطابق فرشتوں کو بہت پہلے مِٹا دینا چاہیے تھا:

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کُنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مِٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو

گویا معاشرتی مساوات اور معاشی انصاف کے اسلامی تصوّرات اُس وقت تک رُو بہ عمل نہیں لائے جا سکتے جب تک آقا و غلام کے امتیازات مِٹا نہیں دیے جاتے، جاگیرداری نظام ختم نہیں کر دیا جاتا، مُلّائیت کا ادارہ بے اثر نہیں بنا دیا جاتا۔ جاہلیت کے اس سارے نظام سے نجات کے بغیر سلاطین و ملوک سے نجات اور سلطانیِ جمہور کا آغاز ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ میاں نے ''فرشتوں'' کو حُکم دیا تھا کہ وہ اِن تمام انسان دشمن اداروں کو مِٹا ڈالیں تاکہ سلطانیِ جمہور کا کارواں بے کھٹکے رواں دواں رہ سکے۔ افسوس صد افسوس کہ ''فرشتے'' اِن نقوشِ کُہن کو مٹا ڈالنے میں ناکام رہے۔ نتیجہ یہ کہ آج تقریباً ساری کی ساری دُنیائے اسلام زمانۂ جاہلیت کے انہی پُرانے نقوش کو نئے رنگ و روغن سے سنوارنے اور نکھارنے میں مصروف دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کے خیال میں جب تک ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی توحید کے تصور سے نورٌ علیٰ نور نہیں ہو جاتی، حقیقی جمہوریت کا سچا نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت کی حقیقی رُوح سے محروم جمہوری سیاسی نظام میں اقبال کے بقول سیاستدان ''ابلیس کے فرزند'' قرار پاتے ہیں اور سیاست اہلِ شر کی کنیز بن کر رہ جاتی ہے۔ ایسی نام نہاد جمہوری سیاست کو اقبال نے جہاں ''کنیزِ اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر'' قرار دیا ہے وہاں ایسے سیاستدانوں کو ابلیس کے کارندے:

تری حریف ہے یا رب سیاستِ افرنگ
مگر ہیں اِس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تُو نے
بنائے خاک سے اِس نے دو صد ہزار ابلیس

☆☆☆

کہتا تھا عزازیل خُداوندِ جہاں سے
پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک!

آمریت کے ہوا خواہ کلامِ اقبال میں سے اس طرح کے اشعار کو اپنے سیاق وسباق سے کاٹ کر جمہوری نظامِ سیاست کی نفی میں پیش کرنے کے عادی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے درج بالا اشعار روحانی اصول واقدار سے منحرف سیاسی نظام کی مذمّت میں لکھے ہیں نہ کہ سچی جمہوریت کے باب میں۔مغرب کے جمہوری نظام کو تنقید کا نشانہ بناتے وقت اُنہوں نے ہمیشہ سچی اور روحانی اصول واقدار پر کاربند جمہوریت کا بول بالا کیا ہے۔وہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم دینے والے نام نہاد جمہوری نظام کو ہمیشہ اصلاحی نقطۂ نظر سے ملامت کا ہدف بناتے ہیں۔اُن کے خیال میں:

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن ، اندروں چنگیز سے تاریک تر

☆☆☆

دیوِ استبداد ، جمہوری قبا میں پائے کوب
تُو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

اقبال جمہوری لباس میں ملبوس دیوِ استبداد کو خوب پہچانتے ہیں۔چنانچہ جمہوریت کے نام پر قائم اِس ظالمانہ نظام کو رَد کر کے ایک ایسے جمہوری نظام کا تصوّر پیش کرتے ہیں جس کا ظاہر وباطن سراسر جمہوری ہو۔اُن کی طویل نظم بعنوان ’’ابلیس کی مجلسِ شُوریٰ‘‘ میں ابلیس کا ’’دوسرا مشیر‘‘ جب سلطانیِ جمہور کو دُنیا میں قائم ابلیسی نظامِ سیاست کے لیے ایک نیا خطرہ قرار دیتا ہے تو ’’پہلا مشیر‘‘ مروّجہ نام نہاد جمہوری نظام کے پسِ پردہ ملوکیت ہی کی کارفرمائی کی جانب متوجہ کرتا ہے:

ہوں ، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اِک پردہ ہو ، کیا اُس سے خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سُلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملّت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سُلطاں ، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن ، اندرُوں چنگیز سے تاریک تر!

یہاں اقبال نے مروّجہ مغربی جمہوریت کی جمہور دُشمن رُوح کو بے نقاب کرتے ہوئے حقیقی جمہوریت کی ترویج کی تمنّا کی ہے۔ ابلیس اس خوف سے لرزہ براندام ہے کہ اسلام کی رُوحانی اقدار سے پھوٹنے والی سچی جمہوریت کا قیام دائرۂ امکان میں ہے۔ چنانچہ جہاں وہ اپنے اِس مشیر کو یہ کہہ کر لا جواب کر دیتا ہے کہ ''روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب؟'' وہاں وہ اپنے تمام مشیروں کو یہ حکم بھی دیتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر ذہانت اور توانائی سچی جمہوریت کے قیام کے امکان کو ختم کرنے میں صرف کر دیں:

جانتا ہوں مَیں یہ اُمّت حاملِ قُرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دِیں
جانتا ہوں مَیں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں
الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سَو بار الحذر
حافظِ نامُوسِ زن ، مرد آزما ، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فَغفور و خاقاں ، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں ، اللہ کی ہے یہ زمیں!
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ دُنیائے اسلام میں آج تک ابلیس اور اُس کے کارندوں کی تدابیر ہر

اعتبار سے کامیاب رہی ہیں۔ چنانچہ آج تک وہ آئین ہم مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آج تک کارفرما نہیں ہوسکا جس کی رُو سے سرمایہ داری، جاگیرداری اور ''ہرنوع کی غلامی'' حرام قرار پائے۔ ہر چند دُنیائے اسلام کے سلاطین ومُلُوک اور صوفی ومُلّا اسلام کے اس آئین کو دُنیا کی نظروں سے چھپانے میں کامیاب چلے آ رہے ہیں تاہم ابلیس اور اُس کے فرزند آج بھی اِس امکان کے حقیقت بن جانے کے خوف میں مبتلا ہیں کہ:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

افسوس! صد افسوس!! خود دُنیائے اسلام کا حکمران طبقہ ''شرعِ پیغمبرؐ'' کو دُنیائے اسلام سے پوشیدہ رکھنے میں ہمہ وقت کوشاں ہے اور اِس حقیقت سے آنکھیں چار کرنے سے گریزاں ہے کہ اگر وہ آنحضورؐ کی شریعت اور طریقت کو دُنیا کی نظروں سے چھپائے رکھنے کی اِس روش پہ قائم رہا تب بھی خود عصرِ حاضر کے تقاضے، جلد یا بدیر، اِس شریعتِ اسلامی کو منظرِ عام پر لے آئیں گے۔

حواشی

۱۔ سن انیس سو تیس کا خطبۂ الہ آباد۔

2- Syed Abdul Wahid, (edit.) "Thoughts and Reflections of Iqbal", Lahore, May, 1964, Pp.53-54. Reproduced from Hindustan Review, Vol. XX, July-December, 1909.

3- Allama Muhammad Iqbal, Stray Reflections, A Notebook of Allama Iqbal, Lahore, 1961, Pp.157,163

4- Allama Muhammad Iqbal, The Reconstructions of Religious Thought in Islam, Edited and Annotated by M. Saeed Sheikh, Lahore, 1996, Pp. 122-123

5- Ibid, P.117

❁❁❁